مولانا رضاء الحق : از دارالعلوم زکریا
لینیشیا جوہانسبرگ - جنوبی افریقہ

حضرت شیخ الحدیث رح
ایک جامع شخصیت

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

سیدی شیخ الحدیث محبوب الانام جامع العلوم - پیکر صدق و وفا - مجسم تواضع حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعلی اللہ درجتہ فی اعلیٰ علیین وجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ کا وصال ایسے وقت ہوا جس وقت ان کا وجود عالم اسلام کے لئے پانی اور غذا سے زیادہ ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بہتر مقام عطا فرمائیں۔ اور ہم گناہ گاروں پر ان کی برکات و فیوض نازل فرمائیں۔ حضرت مولانا مرحوم کی خوبیاں اور کمالات تو وہ حضرات جانتے ہوں گے جو حضرت کے معاصر یا ہم پیالہ وہم نوالہ ہوں۔ ہم جیسے نابکار تو ان کے کمالات اور محاسن کا ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی ہمارا شکستہ قلم حضرت کی علمی و عملی کاوشوں کا احاطہ کر سکتا ہے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے تحت چند باتیں جو سطحی طور پر ذہن میں آئیں حوالہ قرطاس کر لیتا ہوں۔

۱۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس کے شہسوار۔ علم حدیث کے مسند نشین۔ عمل کے راہی۔ اخلاص و تقویٰ کے پیکر۔ مجسم تواضع حسن صورت و حسن سیرت کا پتلا تھے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے باطنی حسن و جمال کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی خوب نوازا تھا۔ ان کے چہرے میں بلا کی کشش تھی۔ ان کے رخسار گلاب کے پھول کی طرح معتقدین و متوسلین کو دعوت نظارہ دیتے تھے۔ بڑھاپے اور ضعف و نقاہت کے باوجود ان کے چہرے کی شادابی جوانوں سے زیادہ تھی۔ ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی یقین ہو جاتا تھا کہ یہ کسی اللہ والے کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے میں بلا کی معصومیت رکھی تھی۔ ان کے چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی اللہ تعالیٰ یاد آتے تھے۔ ان کو رب ذوالجلال نے اذا رءوا ذکر اللہ کا مصداق بنایا تھا۔ علم حدیث مولانا کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہ طلبا اور علماء کی محبت کی جولانگاہ تھے ان کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی۔ وہ جہاں بیٹھتے وہاں علم کے خزانے کھلتے، عمل کی ہوائیں چلتیں، تقویٰ و اخلاص کی خوشبو پھیلتی۔ اور ان کی مجلس کی بہاریں مشام جان کو معطر کر لیتیں ۔

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو او
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

ان کی محفل میں سیرت طیبہ سے لیکر آزادیٔ ہند تک کی پر وقار مستند معلومات ہوتیں۔ ان کے چشمۂ صافی سے عوام و خواص سب بقدر ظرف شراب معرفت پی کر سیراب ہوتے۔ ان کے انداز بیان میں مقناطیس کا اثر تھا جب کسی مسئلہ پر لب کشائی فرماتے تو علم و حکمت کا اتھاہ سمندر موجزن ہوتا۔ وہ علم کا سمندر تھے جو ساحل سے بے نیاز ہو۔ وہ ایک گلستان تھے جس کی خوشبو دنیا کے چپے چپے میں بسی ہوئی تھی۔ وہ ایک شجر ثمردار تھے جس کے پھلوں سے ایک عالم سیراب ہوا۔ وہ ایک گوشہ نشین تارک الدنیا تھے۔ جو دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو کر علم دین کی خدمت میں مشغول ہوں وہ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے ندانند جام و سندان باختن

کا صحیح مصداق تھے۔ وہ ایک کہنہ مشق اور قدیم الزمان مدرس تھے۔ جن کی بالذات یا بالواسطہ شاگردی سے شاید ہی کوئی تہی دامن رہ چکا ہو۔ دنیا کے کونے کونے میں ان کے علم کی نہریں جاری ساری تھیں۔ یہ حضرت مولانا مرحوم کی خوش نصیبی ہے کہ پاکستان اور بیرون ملک کے دینی مدارس کے اکثر شیوخ الحدیث حضرت مولانا کے بالذات یا بالواسطہ شاگرد ہیں۔ اور حضرت مولانا کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دیتے ہیں۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی مسند درس کو بھی رونق بخشی اور نوعمری میں اپنے علم کا لوہا منوالیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں استاد الحدیث کی مسند کو زینت بخشی۔ اور ہزاروں مہمانان رسول کو قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول کی لذتوں سے آشنا کر دیا۔ اور دارالعلوم دیوبند ہی میں مولانا عبدالحق النافع کے پیارے لقب سے ملقب و موسوم ہوئے۔ اور ابھی شاید عمر کی ۳۰ بہاریں بھی نہیں گذری تھیں کہ سب کے منظور نظر اور اعلیٰ پائے کے اساتذہ کی صفوں میں شامل ہوئے اور چشم فلک نے یہ نظارہ دیکھ لیا۔ کہ ایک سرحدی عالم کے نازک لبوں نے علم حدیث کی کتابوں کو بوسہ دیا۔ اور اکابر و اصاغر سے داد تحسین وصول کی۔ اور ان بزرگوں کی دعاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ جن کے دم قدم سے علم دین کی عمارت پاک و ہند کی سرزمین پر قائم تھی۔

اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند میں ہر درجہ کے طالب علموں کو محبوب و منظور تھے سب ان پر جان نچھاور کرتے تھے۔ اور عقیدت کے پھول ان کے قدموں پر ڈالتے تھے۔

آج مولانا مرحوم کی وفات پر صرف پاکستان نہیں بلکہ ہندوستان، افغانستان، ایران اور اسلامی ممالک کا گھر گھر رو رہا ہے۔ اس قحط الرجال کے بدقسمت دور میں حضرت مولانا کی وفات قیامت سے کم نہیں

آج مولانا ایک عالم کو یتیم کر کے رخصت فرما گئے۔ اور اپنے متوسلین کو ورطۂ غم وحیرت میں چھوڑ دیا۔ آج مولانا علم حدیث، درس و تدریس کی مسند کو ویران چھوڑ کر جانب خلد بریں تشریف لے گئے۔ اور اپنے پیچھے ایسی مہیب خلا چھوڑی جس کے پُر ہونے کا بظاہر امکان نہیں۔ آج ان کو علم حدیث کے اوراق رو رہے ہیں مولانا کی وفات پر ہر گھر ماتم کناں ہے۔ ان کی وفات موت العالِم موت العالَم کا صحیح مصداق ہے۔

آج وہ تو مسکراتے ہوئے اپنے اعمال حسنہ اور صدقات جاریہ کا بیش قیمت خزانہ لے کر اللہ میاں کے ہاں پہنچ گئے۔ مگر اپنے پیچھے رونے والوں کا ایک لشکر عظیم چھوڑ گئے۔ شاید کسی ہاتف نے مولانا کے کانوں میں یہ مضمون پہنچایا تھا ؎

یاد داری کہ وقت آمدنت ہمہ خنداں بوند و تو گریاں

ایں چناں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

مولانا مرحوم میں رب کائنات نے اتنی خوبیاں جمع فرمائی تھیں کہ الفاظ و بیان کا دامن ان کے بیان سے تنگی کا شاکی ہے ؎

دامنِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

وہ ایک طرف کاروان علم کا سپہ سالار تھے۔ تو دوسری طرف تشنگان علم عمل اور دلدادگان تصوف کی پناہ گاہ تھے۔ طریقت وحقیقت کے عاشقوں کی سیرابی کا چشمۂ صافی اپنے سینہ میں سموئے ہوئے تھے علم ظاہری و باطنی دونوں میں اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کے صحیح جانشین تھے۔ بلکہ حضرت مدنیؒ کے عاشقِ زار تھے۔ حضرت مدنی کے تذکرہ سے ان کی آنکھیں آنسوؤں کا سمندر بن جاتیں۔ شاید ان کی کوئی مجلس شیخ الاسلامؒ کے تذکرہ سے خالی ہو۔ اپنے شیخ سے ان کی محبت عشق و وارفتگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ وہ حضرت مدنیؒ کے ظاہری و باطنی کمالات کے تہہ دل سے معترف تھے۔ ان کے علم وعمل کو حضرت مولانا نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور خلوتؒ جلوت میں انہی کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ انہوں نے تعلق مع اللہ کے ساتھ تعلق خلق کے نسخۂ کیمیا پر عمل کرنا حضرت مدنی سے وراثت میں پایا تھا۔ مسند حدیث کی تزئین کے ساتھ قومی سیاست میں حصہ لینا حضرت مدنی ہی کی اتباع کا ثمرہ تھا۔ بادشاہی میں فقیری اور بلند مراتب کو چھونے کے باوصف تواضع حضرت مدنی کا وطیرہ تھا۔ جو حضرت مولانا میں اکمل طریقے سے موجود تھا۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں پر جام صبر نوش فرمانا بھی حضرت مدنی سے نسبت کا نتیجہ تھا۔ وہ حضرت مدنی کو صرف استاد و شیخ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ایک اتالیق و مربی اور روحانی والد سمجھتے تھے۔ وہ پاکستان میں حضرت مدنی کے کمالات کا پرتو تھے۔ حضرت مدنی کے انفاس طیبہ سے حضرت مولانا کی شخصیت بنی۔ عشق نبویؐ کا چراغ حضرت مولانا کے قلب میں حضرت مدنی کی جلائی ہوئی شمع کے طفیل تھا۔

اور اس چراغ حقانی نے ایک دنیا کو منور کر دیا ہے

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ

اور یہ حضرت مدنیؒ کی نظر کیمیا اثر کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ سے اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت لی جس کی نظیر اس آخری دور میں ناممکن نہ ہو تو مشکل ضرور ہے۔ حضرت مولانا مرحوم معقولات اور منقولات دونوں میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ ان کو حدیث کی طرح فنون کی کتابیں اور مسائل بھی ازبر تھے۔ بایں ہمہ وہ اپنے کمالات کو خوب چھپانے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی کسی ادا سے اپنا علمی کمال ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

حضرت مولاناؒ نے اپنے زمانے کے باکمال اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ اپنے علاقہ کے جن بزرگ اور پختہ کار علمی ہستیوں سے انہوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ان میں میرے نانا حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب نور اللہ مرقدہ عرف شاہ منصور لالا صاحب کی مغتنم ہستی شامل تھی۔ ہمارے گاؤں شاہ منصور کو دیگر سعادتوں کی طرح یہ سعادت بھی حاصل رہی کہ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کا مستقر اور علمی گہوارہ رہ چکا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں انہوں نے ہمارے گاؤں میں بار بار قدم رنجہ فرمایا۔ آپ شاہ منصور کی ایک مسجد میں تحصیل علم کے سلسلہ میں مقیم رہے۔ اور میں نے نانا صاحب مرحوم سے خود سنا کہ جب میں شاہ منصور سے کوہاٹ بغرض تدریس جا رہا تھا تو اس ہونہار طالب علم نے جس میں اپنے وقت کے شیخ و مقتدا بننے کا جوہر پنہاں تھا، کہا کہ میں آپ کی سرپرستی میں سفر علم طے کرنا چاہتا ہوں اور رخت سفر کوہاٹ باندھنا چاہتا ہوں۔ لیکن پہلے اپنے والد بزرگوار سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ اگر انہوں نے مشورہ دیا تو میں جہانگیرہ کے اسٹیشن پر آپ کا انتظار کروں گا۔

اس وقت حضرت مولانا نوعمر بے ریش و بروت تھے۔ نانا صاحب نے فرمایا جب میں اسٹیشن پر پہنچا تو وقت کا بننے والا شیخ الحدیثؒ اپنا مختصر سامان سفر لئے ہوئے سراپا انتظار تھا۔ پھر وہ میرے ساتھ کوہاٹ تاجپور کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ شیخ الحدیث مرحوم نے شاہ منصور اور کوہاٹ میں نانا صاحب کے ساتھ کتنا عرصہ گذارا۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ یہ دونوں جگہیں حضرت شیخ الحدیث کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوئیں۔ اور ان کے اقدام پاک کو کوہاٹ اور شاہ منصور کی سرزمین نے چوما۔ اس

چھوٹے سے واقعے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ الحدیث مرحوم میں علم دین سے محبت کے باوصف والد ماجد کی تابعداری کا کتنا جذبہ موجزن تھا۔ نیز اساتذہ کرام سے کتنا گہرا تعلق اور کتنی سچی محبت اور عقیدت مرکوز تھی۔ سچ یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت کی نکھار میں اساتذہ سے تعلق کا بڑا دخل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث گویا ان اشعار کے مضمون پر عمل پیرا تھے۔

رأیت احق الحق حق المعلّم

وا وجبه حقاً علی کل مسلم

میں استاذ کا حق سب سے افضل بلکہ سب سے لازم اور ضروری ہر مسلمان پر سمجھتا ہوں۔

لقد حق ان یُھدی الیہ کرامۃ

لتعلیم حرف واحد الف درھم

وہ اس عزت و کرامت کا حقدار ہے کہ ایک حرف کی تعلیم کے عوض ان کی خدمت میں ہزار درہم ہدیہ کئے جائیں

علم کی اشاعت سے محبت دین کی خدمت خواہ دنیا کے کسی کونے میں ہو رہی ہو، حضرت شیخ الحدیث سن کر خوشی سے جھوم اٹھتے اور کیوں خوش نہ ہوتے ان کی زندگی کا محور ہی دین کی اشاعت تھا۔ انہوں نے قومی اسمبلی کے ایوان میں جانا ہی دین کی خاطر قبول فرمایا تھا۔ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی دین تھا۔ ان کا وظیفہ یہ تھا۔

سھر العیون لغیر وجہک باطل

و بکاء ھن لغیر فقدک ضائع

آنکھوں کو تیری ذات کے علاوہ دوسرے مقصد کے لئے بیدار رکھنا باطل ہے۔ اور تیری تلاش کے بغیر رونا بے کار اور ضائع ہے

دین کی خاطر انہوں نے دن کا آرام اور راتوں کی میٹھی نیند قربان فرمائی تھی۔ دین کا درد ان کے دل میں ایسا پنہاں تھا جیسے مجنوں کے دل میں لیلیٰ کی یاد۔ ان کی زندگی کا مقصد وحید ہی دین کی سربلندی کی سعی تھی۔

عید الفطر ۱۴۰۸ھ کے کچھ دن بعد فقیر راقم الحروف اپنے نانا زاد بھائی مولانا لیکچرر اظہار الحق صاحب کے ساتھ قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت کا چہرہ نقاہت اور ضعف کے باوجود گلاب کی طرح چمک رہا تھا۔ زبان میں وہی پرانی شستگی و روانی تھی۔ کمزوری اور ناتوانی الفاظ کے سیلاب اور علوم کی روانی کو نہیں روک سکتی۔ حضرت نے احوال پوچھے۔ میں نے کہا جنوبی افریقہ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوں۔ جس میں درس نظامی اردو زبان میں پڑھایا جاتا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور اس دور دراز ملک میں جو نسلی امتیاز کی پالیسی میں گالی کی حد تک بدنام ہے۔ مدارس کا سلسلہ قائم ہونے پر نہایت خوشی ظاہر فرمائی۔ بہت دعائیں

دیں ۔ اور اپنا دامن حضرت کی مشفقانہ دعاؤں سے لبریز کر کے واپس ہوئے ۔حضرت مولانا دعا کو اپنی زندگی کا اہم وظیفہ سمجھتے تھے ۔اور ہر وقت ہر مقصد میں دعا ہی کو کامیابی کا وسیلہ سمجھتے تھے ؎

حافظ وظیفہ تو دعا کردن است و بس ۔۔۔ در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

پر ان کا عمل تھا اب ایسی ہستیاں کہاں ملیں گی؟ ایسی شخصیات کمیاب نہیں نایاب ہیں ؎

نہ قاصد، نہ صبائے، نہ مرغ نامہ بری ۔۔۔ بسوئے یار رساند ز نزد ما خبرے

اے باد گر بگلشن احباب بگذری ۔۔۔ زنہار عرض کن بر جاناں سلام ما

مولانا کی رحلت سے علماء و طلباء کا ظاہری سہارا ٹوٹ گیا اور دنیائے حدیث ایک کہنہ مشق اور ماہر استاذ سے محروم ہو گئی ۔اب کون حدیث کے چمنستان میں پھول کھلائے گا۔کون مجاہدین کی صفوں کو اتحاد کی تلقین کرے گا؟ کون جہاد کے تن مردہ میں روح جہسوی پھونکے گا؟ سچ یہ ہے کہ مولانا اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے اپنی ذات میں انجمن تھے ۔جو بیک وقت بے شمار کام انجام دیتے تھے ۔ وہ پچاس سال دین کی خاموش و پر جوش خدمت کر کے تھکے ماندے مسافر کی مانند خواب راحت فرمانے کے لئے اپنی خواب گاہ میں تشریف لے گئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتے صف آرا ہو کر ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہوں گے ۔اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں گی۔قبر کی زمین ان کی آمد کی وجہ سے جھومتی ہو گی۔مبشر و بشیر ان کے یقین و اعتماد سے بھرے ہوئے کلمات سے مسکراتے ہوں گے ۔جنت کی خوشبوئیں ان کے دماغ میں پہنچتی ہوں گی ۔ اور دنیا میں جھوٹے موٹے کپڑے پہننے والا اور دنیا کی لذتوں کو طلاق دینے والا جنت کے لباس اور لذتوں سے سرشار ہو گا ۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مولانا ان اشعار کے تن کو حقیقت کا جامہ پہنانے والے تھے ۔

ان للّٰہ عبادا فطنا ۔ طلّقوا الدنیا و خافوا الفتنا ۔ نظروا فیہا فلما علموا انہا

لیست لحیّ وطنا جعلوہا لجۃً واتخذوا صالح الاعمال فیہا سفُنا ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے بعض ذہین بندے ایسے ہیں جو فتنوں کے خوف سے دنیا کو طلاق دیتے ہیں جب وہ دنیا میں غور کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ تو کسی زندہ کا وطن نہیں بنتی تو دنیا کی موجوں میں نیک اعمال کو کشتیاں بنا کر دنیا کو پار کر لیتے ہیں ۔

اب مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھنے والا جنت کے قالینوں سے لطف اندوز ہو گا ۔ روشنیاں ان کا چہرہ تکتی ہوں گی ۔ اور دنیا میں معمولی مکان میں رہنے والا انسان جنت کے عالیشان مکان سے لذت اندوز ہو گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ کسے خبر کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی کا جانشین صوبہ سرحد کا وقار ۔ افغانوں کا فخر ۔ ملت کا قیمتی سرمایہ ۔۔۔

بزم مدنی کا روشن چراغ اپنے متوسلین کو تاریکی میں چھوڑ کر گل ہو جائے گا۔

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت بنوریؒ، حضرت مفتی محمودؒ، حضرت مولانا غلام غوثؒ کے بعد امت مسلمہ کی نگاہیں حضرت شیخ الحدیث کی ذات پر لگی ہوئی تھیں اور انہی کو دینی اور ملی محاذوں پر میر کارواں بنائے ہوئے تھے۔ اور انہی کو دین وسیاست کا بے تاج بادشاہ سمجھتے تھے۔ انہی کے اشارہ ابرو پر جان قربان کرنے کے لئے تیار رہوتے تھے۔ اور مشکلات میں انہی کی راہ تکتے تھے۔ انہی کے خطبات سے اپنے لئے منزل کی راہ متعین کرتے تھے۔ انہی کے خلوص واستقامت پہ اعتماد کئے ہوئے تھے۔ اور ان کا عمل اپنے لئے مشعل راہ سمجھتے تھے۔ اور ان کو دنیا کے دشمنوں کے خلاف تلوار بے نیام سمجھتے تھے۔ انہی کی تقریروں سے آنکھوں کی ٹھنڈک روح کی تپش، سینے کی حرارت، دل ودماغ کی غذا، اعضاء کی قوت، اور ہر طرح کی خیر وبرکت حاصل کرتے تھے

آہ! موت کے بے رحم پنجے نے ہم سے وہ لعل بدخشاں چھین لیا۔ اب وہ شخصیت کہاں؟ جس میں بے شمار خوبیاں سمٹی ہوئی تھیں۔ اب وہ ہستی کہاں ہے جو زخمی قلوب، اور دکھی انسانیت کے لئے مرہم کا کام دے اب وہ وجود کہاں جو گہرے زخموں کی مرہم پٹی کرے۔ اب وہ باکمال انسان کہاں جو ہر طبقے کے لئے سامان تسلی ہو۔ اب وہ فرد کامل کہاں جو صوبہ سرحد کے پہاڑوں کے دامن میں دیوبندیت کا علم بلند کرے۔ اب وہ روشن ستارہ کہاں جو ہر سال ہزاروں تاریک دلوں کو منور کرے۔ وہ آفتاب نیمروز ایسے وقت میں غروب ہوا کہ امت کو اس کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی۔

آسماں اس کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا مرحوم نے دین کی سربلندی کے لئے ہر موقع پر سرتوڑ کوششیں کیں۔ جب سوشلزم اور کمیونزم کا فتنہ نرم ونازک محبوبہ کی پرفریب شکل میں ظاہر ہوگیا اور پاکستان خصوصاً صوبہ سرحد کے غیور مگر سادہ لوح افغانوں کو اس کی زلفوں کا گرویدہ بنانے کی کوششیں کی گئیں، بلکہ پاکستان روس کی جوع البقر کی زد میں آنے لگا تو حضرت مولانا مرحوم اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اٹھے اور ان کی نگرانی میں نکلنے والے رسالے "الحق" نے اس کے تعاقب وتردید میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب نیشنلزم کے نام پہ پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی سعی کی گئی تو مولانا نے سربکف ہو کر اس فتنے کو موت کی نیند سلانے کی ٹھان لی جب ملک دشمنان صحابہ کی زد میں آگیا۔ تو مولانا نے اپنے علم کے تیروں سے ان کے سینوں کو چھلنی کر دیا۔ جب اندرون اسمبلی اسلام کے خلاف بعض ناعاقبت اندیشوں نے دریدہ دہنی کی۔ تو حضرت مولانا نے ان کو دنداں شکن جواب دے کر ان کے دانت کھٹے کردئے اور ان کے شبہات کے تار پود بکھیر دئے۔

یا تنک نہ کر مجھ کو اے ناصح ناداں
یا چل کے دکھادے مگر ایسی دھن ایسا

جب ملک میں بعض خوانین شیاطین کے روپ میں ظاہر ہونے لگیں تو مولانا نے ان کو راہ راست پر لانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ جب ملک کی سالمیت کو کبھی خطرہ لاحق ہوا تو مولانا کی نیم شب کی آہوں، پر تضرع دعاؤں اور سر توڑ کوششوں نے ملک کی حفاظت پر حرف نہیں آنے دیا۔ جب افغانستان کو مارکس اور لینن کی مجازی اولاد نے آتش سوزاں بنا دیا تو مولانا نے ان کی لگائی ہوئی آگ کو مجاہدین کے بہتے ہوئے خون سے ٹھنڈا کر دیا۔

لیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ کے لئے تمام مخلوق کو فرد واحد میں جمع کرنا کوئی اچنبے کی بات نہیں۔

مستوثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد مولانا سیماب کی طرح بیقرار پریشان تھے اور اپنے شاگردوں سے جن کی اکثریت کا تعلق افغانستان سے تھا مشورے فرماتے رہتے تھے بسا اوقات یہ مشورے رات گئے تک جاری رہتے تا ایں کہ اپنے تلامیذ کو جہاد کی بھٹی میں کودنے پر مکمل طور پر آمادہ کر لیا اور یوں حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا مستقر اکوڑہ خٹک جہاد کی تربیت گاہ اور ٹریننگ گاہ بن گیا۔ بلکہ شہیدان کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کا وقت آ پہنچا۔ پھر مجاہدین کے کمانڈر حضرت سے مشورہ اور دعا لینے کے لئے روزانہ یا دوسرے روز حاضر ہوا کرتے تھے اور یہ پیرانا شیر اپنے اسی سال کے تجربات سے ان کی سرگرمیوں کو نوازتے رہے۔ اور ان کے جہاد کے انجن میں پیٹرول کا کام انجام دیتے رہے۔ کس کو معلوم تھا کہ یہ خاموش مگر پر جوش عالم دینی شاگردوں کی ایسی کھیپ تیار کرے گا جو آگ و خون کی ندیوں میں کودنے کو سعادت ابدی سمجھے گی۔ کسے معلوم تھا کہ اس مرد درویش کے منہ سے نکلنے والے کلمات جہاد کے بارود سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ کون جانتا تھا کہ یہ مرد با خدا بغیر وسائل کے مسائل حل کرانے میں یکتا ہو گا ؎

اے دل طریق رندی از محتسب بیاموز
مست است در حق او کس ایں گماں ندارد

جل مرتا ہے شعلوں میں مگر اف نہیں کرتا
پروانے کا انداز وفا غور طلب ہے

واقعی یہ دین و علم کا پروانہ برسوں دین کی محبت میں جلتا رہا مگر اف تک نہیں کی۔ مرحوم نے دین کے چراغ کو باطل کی ظالم ہواؤں سے بچانے میں زمانے کے ہر ستم کو خندہ پیشانی سے اور دن کو قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول

اور رات کو آنکھوں اور نالوں سے اس چراغ کی روشنی قائم رکھی اور بزبان حال یہ فرماتے رہے ؎

کوئی رہے نہ رہے اک آہ اِک آنسو
بصد خلوص و بصد امتیاز ساتھ رہے

مولانا فخرِ افغان تھے

میں تو بعض حلقوں سے معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث مرحوم واقعۃً فخرِ افغان تھے۔ میرے نزدیک وہ فخرِ افغان نہیں جو افغان مجاہد قوم کو عدم تشدد کا سبق پڑھا کر چار دیواری کے اندر بٹھا دے۔ اور ظالموں اور کافروں کے ظلم وکفر کو برداشت کرنے اور اسلام کو تہہ و بالا کرنے کی تلقین کرتا رہے وہ فخرِ افغان نہیں جو لامذہبوں کے سامنے سر جھکا کر ایک خدا کو بھول جائے وہ فخرِ افغان نہیں جو غیر اللہ کے سامنے جھولی پھیلا دے اور اپنی قوم کی بیٹیوں کو برسرِ عام برہنہ ہونے کی خاموش تلقین کرے۔ وہ فخرِ افغان نہیں جو اسلام کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب یہاں تک کہ ہندو مذہب کو حق سمجھے۔ بلکہ وہ فخرِ افغان ہے جو اپنی قوم کو صدیوں پرانا سبق یاد دلا دے۔ اور ان کے بجھے ہوئے کوئلہ میں جہاد کی روح پھونک دے۔ جو ایسے مجاہدوں کی جماعت تیار کرے جو سر بکف اور کفن بر دوش ہو کر دشمنانِ اسلام کے سینوں میں نشتر پیوست کرے۔ وہ فخرِ افغان ہے جو مردہ دلوں کو نئی زندگی بخش دے۔ اور ان میں نیا شعور اور ولولہ پیدا کر دے۔ وہ فخرِ افغان ہے جو اندرون اور بیرون ملک قابلِ فخر شاگردوں میں دینی غیرت کی چنگاریاں بھر دے اور ان کو کفر کی آنکھوں کے لئے برقِ خاطف بنا دے اور ان کے تنکوں کو دینی تعلیم کے سیل رواں میں بہا دے۔ وہ فخرِ افغان ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا فلسفہ اور علم حدیث، حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسمٰعیل شہید کا جذبہ جہاد زندہ کرے۔ فخرِ افغان وہ ہستی ہے جو دیوبندیت کے عناصر اربعہ، امام ابوحنیفہ کی فقہ، شاہ ولی اللہ کی فکر، شاہ اسمٰعیل شہید کا جذبۂ جہاد، حضرت مجدد الف ثانی کے طریقہ اصلاح کو ترتیب دے کر اس میں دیو بندی روح ڈال کر دار العلوم حقانیہ کی شکل میں افغان قوم کے سامنے کھڑا کر دے اور اس بہارستان سے لوگوں کو لذت اندوز ہونے کی بھرپور دعوت دے اور سب لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہہ کر پروانہ وار گریں۔

سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بے شمار خوبیوں سے مالامال فرمایا تھا اور ان کے وجود کے عالم اصغر میں عالم اکبر کی خوبیاں ودیعت رکھی تھیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسی ہستی کے قرب میں رہ کر اپنے دامنوں کو ہیروں سے بھر چکے ہیں۔ قابلِ رشک ہیں۔ وہ حضرات جنہوں نے اپنے اوقات کو حضرت کی زبان سے نکلے ہوئے جواہر ریزوں کے جمع کرنے اور سلکِ تحریر میں پرونے کے لئے وقف کیا۔ اور قابلِ دید ہیں وہ ہستیاں جن کی آنکھیں صبح و شام حضرت کے دیدار سے منور ہوتی رہیں اور لیل و نہار کی قید سے آزاد ہو کر ہر دم حاضرِ خدمت رہے۔ ہم تو

ہزاروں میل دور رہنے کی وجہ سے ان کی زیارت اور آخری ملاقات سے محروم رہے۔ بس صرف ان کی یاد کو چراغ راہ اور شمع محفل بناتے رہے اور یوں کہتے رہے ؎

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی — ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اور زبان حال سے یوں بھی گویا ہوئے۔

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم — بعد جانی نبود در سفر روحانی

وفات حسرت آیات یوں تو ایک دن سب کو یہ دنیائے فانی چھوڑ کر اپنے وطن اصلی آخرت کی طرف جانا ہے۔ دنیا میں جو بھی آیا بقا و دوام کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کارزار زندگی میں محنت و سعی کرنے اور آخرت بنانے کے لئے آیا۔ بقول ابونواس ؎

لہ ملک بنادی کل یوم — لدو للموت وابنو للخراب
الا یا صاحب القصر المعلّیٰ — ستدفن عن قریب فی التراب
قلیل عمرنا فی دار دنیا — ومرجعنا الی بیت التراب

یعنی روزانہ ایک فرشتہ آواز لگاتا ہے ——— سب کا انجام موت ہے اور عمارتیں بنایا کرو، ان کا انجام بھی ویران ہونا ہے۔ اے بڑے محل کے مالک عنقریب تجھ کو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔ اس دنیا میں ہماری عمر تھوڑی ہے مٹی کے گھر کی طرف ہمارا رجوع ہوگا۔ کل نفس ذائقة الموت کی آیت کریمہ سب کو موت اور فنا کی دعوت دے رہی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے تحفظ کے لئے دنیا کے تمام اسباب کا انتظام کرے۔ خوشگوار آب وہوا سے متمتع ہوتا رہے۔ ڈاکٹروں کی ٹیمیں شب و روز اس کی صحت کی نگرانی کرتی ہیں ہر آفت ومضرت سے بچنے کے لئے دن رات ایک کر کے دربانوں کی جماعتیں اس کی حویلی کے سامنے سر و قد کھڑی رہیں پھر بھی اینما تکونو ایدرکلم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ کی آیت کریمہ کا حکم ان تمام تحفظات کے پردوں کو پھاڑ کر اپنی تاثیر دکھائے گا ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے — آج وہ کل ہماری باری ہے

مگر مولانا مرحوم جیسے لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں کہ اعمال صالحہ سے توشہ دان بھر کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو روتا ہوا چھوڑ کر خود خنداں و خراماں سوئے آخرت تشریف لے جاتے ہیں اور حافظ شیرازی کی زبان میں فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کز منزل ویراں بروم — راحت جان طلبم و از پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے — بر سر میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

حضرت مولانا ان لوگوں میں سے تھے جو حیات مستعار کے ایام کو اپنے جاناں کی نذر کرکے آخرت کو سدھارے اور اپنے اوپر دنیا کی راحتوں کو حرام کرکے دین کی خاطر کسی بھی مشقت جھیلنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ بلکہ مولانا جیسے حضرات کے لئے تو موت ایک تحفہ ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کی روحیں موت کی پکار کو سن کر خوشی سے جھوم اٹھتی ہیں۔ وہ دنیا کو فانہ ویران سمجھتے ہیں۔ اور آخرت کی نعمتیں ان کو کشاں کشاں اپنی طرف بلاتی ہیں۔ حضرت علیؓ جنگ صفین میں معمولی کرتہ پہن کر دو صفوں کے درمیان گھوم رہے تھے۔ ان کے صاحبزادہ حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ اے میرے والد ماجد ماھذا بزی المحاربین۔ یہ لڑنے والوں کی ہیئت اور لباس نہیں ہے۔

حضرت علیؓ فرمانے لگے لا یبالی ابوک علی الموت سقط ام سقط علیہ الموت۔ آپ کے والد کو یہ پرواہ نہیں کہ وہ موت پر گر جائے یا موت اس پر گر جائے۔

حضرت عمارؓ جنگ صفین میں شہادت کے مرتبے پر سرفراز ہونے سے قبل فرمانے لگے۔

غداً ألقى الاحبة محمداً وحزبه کل اپنے دوستوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملاقات ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایرانی سپہ سالار رستم بن فرخ زاد سے فرمایا تھا۔

فان معی قوماً یحبون الموت کما یحب الاعاجم الخمر یعنی جو قوم میرے ساتھ وابستہ قتال ہے وہ موت کو ایسی پسند کرتی ہے جس طرح عجمی لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت مولانا کا طریقہ تدریس

جیسے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مدنیؒ کا پرتو تھے۔ ان کا طریقہ تدریس بھی حضرت مدنی ہی کی طرح تھا۔ الفاظ کی ادائیگی، مطالب کی تفصیل، زبان کی فصاحت، کلام کی دلنشینی، مضامین کی شیرینی، آواز کی بلندی اور صفائی، کلام کی برجستگی، مذاہب کی تفصیل، بیان کی دلاویزی میں وہ حضرت شیخ الاسلام کی تصویر اور عکس تھے۔ حضرت مدنیؒ کے کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے کلمات حضرت مولانا کے قلب پر نقش ہو گئے تھے۔ فقیر راقم الحروف نے حضرت شیخ الاسلام کی بخاری شریف کے درس کی کیسٹیں سنی ہیں حضرت مولانا النافعؒ کو حضرت مدنی سے بہت مشابہ پایا۔ اگر پشتو اور اردو کا فرق نہ ہوتا تو پہلی سماعت میں حضرت مولانا پر حضرت مدنی کا گمان ہوتا۔ اپنے شیخ کی طرح گھنٹوں گھنٹوں حدیث نبوی کے درس دیتے ہوئے حدیث کی لذتیں لوٹتے تھے۔ تھکاوٹ ان کے ہاں نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اور مفردات کی تشریح سے لے کر حدیث کے نکات تک کے نغمے چھیڑتے اور چمن حدیث میں وہ پھول کھلاتے جن کی خوشبو ہوش اڑاتی۔ صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز ہے ۔ وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے۔

دارالعلوم حقانیہ ۱۹۴۷ء کو برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصے کا نام انڈیا یا بھارت اور دوسرے کا نام پاکستان رکھا گیا۔ غلامی کی طویل تاریکی کے بعد ایک نیا اسلامی خطہ مسلمانوں کے حصے میں آیا۔ اتفاق سے مسلمانوں کے حصے میں وہ سرزمین آئی جو اسلامی مدارس سے تہی دامن تھی۔ بڑے بڑے مدارس سب انڈیا میں رہ گئے۔ جہاں سے مسلمان ہجرت کر کے اس نوزائیدہ ملک میں چلے آرہے تھے۔ تقسیم سے کچھ پہلے حضرت مولاناؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے فراق کا صدمہ برداشت کر کے سرحد تشریف لائے جو پاکستان ہونے کے ساتھ مولانا کا وطن اصلی اور مستقر بھی تھا۔ یہیں پر مولانا نے آنکھیں کھولی تھیں اور یہیں پر ان کی تربیت ہوئی تھی اور علوم و فنون کا زیادہ حصہ بھی یہیں پر پڑھا تھا۔ چنانچہ صوبہ سرحد میں اپنی بستی اکوڑہ خٹک میں قیام فرما کر مسلمانوں کی اس دینی ضرورت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت مولانا جانتے تھے کہ اب مساجد میں رہائش اور ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بے ترتیب کتابوں کے پڑھنے کا زمانہ نہیں۔ اب ترتیب کا دور ہے اور زمانہ نئے تقاضوں کے ساتھ دین کی خدمت کا متقاضی ہے۔ اب وہ دور نہیں کہ ایک طالب علم معقولات میں عمر کا اکثر حصہ گذار کر پھر علم حدیث کے گلشن میں قدم رکھے گا۔ اب معقولات اور قدیم فلسفہ کے زیادہ رٹنے رٹانے کا دور نہیں۔ اب سلم العلوم اور قاضی مبارک کے دس دس حواشی مطالعہ کرنے کا دور نہیں۔

حضرت مولانا تاڑ گئے تھے کہ اب ایسے فتنے نمودار ہونے والے ہیں۔ جن کا مقابلہ قدیم فلسفہ نہیں کر سکتا۔ اب ایسے فتنوں کو گھٹا ٹوپ اندھیرے روئے زمین کو ڈھانپنے والے ہیں۔ جن میں قرآن و حدیث اور علوم نقلیہ میں مہارت ہی روشنی کا کام دے سکتے ہیں۔ یہ تاریکی چراغ مصطفوی ہی سے کافور ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لئے بالغ النظر علماء پیدا کرنا چاہئیں۔ مولانا کے پیش نظر یہ بھی تھا۔ کہ یہ خطہ مدارس سے خالی ہے۔ کہیں یہ اولیاء کا خطہ خانۂ ویران را دیو می گیرد کا مصداق نہ بن جائے۔ کہیں پاکستان بن جانے کے بعد یہاں کے عوام و خواص جدید تہذیب کی رو میں نہ بہہ جائیں۔ اور تقوی و خشیت الٰہی کا طوق زریں اپنے گلوں سے نہ اتاریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علماء اپنے سب بچوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی نذر کر دیں اور اسلاف کی پونجی نابکاروں کے ہاتھوں نذر آتش ہو جائے۔

چنانچہ مولانا نے بے سروسامانی کے عالم میں توکلاً علی اللہ تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کے نام سے اسلامی یونیورسٹی کھولی جس کا سرمایہ اخلاص تھا۔ جس کی عمارت توکل تھا۔ جس کا نصب العین علوم اسلامیہ کے عَلم کو بلند کرنا تھا جس کا نصاب قدیم و جدید کا حسین امتزاج تھا۔ جس کا مقصد وحید علوم نبویہ کی اشاعت تھا جس کا مشن ہر باطل کو زیر و زبر کرنا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ اپنے اخلاص کی برکت سے کامیابی سے خوب ہمکنار ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تھوڑے عرصے میں ان کے لگائے ہوئے باغ کو بار آور فرمایا جو پودا انہوں نے لگایا

تھا - وہ میوہ دار درخت بن گیا اور مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت فرعہا فی السماء کا منظر خلق خدا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یوں دارالعلوم حقانیہ قوم کے لیے رحمت ثابت ہوا - اور اس نے وہ متقی اور مخلص علما پیدا کیے جن پہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں کا مصرع صادق آتا ہے ۔ اس نے وہ اہل اللہ قوم کو دیئے جن کے تقویٰ کی قسم کھائی جا سکتی ہے - اس نے وہ پختہ اور تجربہ کار مدرسین ملت کے حوالے کیے جن کی پختگی میں دشمن بھی کلام نہیں کر سکتا - اس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دین کی فضا قائم کی - دین کا اب کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں دارالعلوم کے تابناک ستارے نہ چمکتے ہوں اور اپنی کرنوں سے روحانی غذا نہ پہنچاتے ہوں - ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء -

مولانا کی اولاد امجاد | ہر مسلمان خصوصاً عالم دین کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میری اولاد میری اور اللہ رب العزت کی مرضی اور خوشنودی کا مجموعہ بن جائے - جس شخص کی اولاد اس کی تمناؤں پر پانی پھیر دے - وہ ناکام و نامراد سمجھا جاتا ہے - اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو صالح اولاد سے نوازا - ان کی اولاد میں مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوار الحق صاحب عالم باعمل اور اعلیٰ پائے کے مدرس ہیں - حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو تو اللہ تعالیٰ نے علمی اور سیاسی میدان میں کام کرنے کے لئے منتخب فرمایا - اور ہر میدان میں حضرت مولانا کے مشن کو پورا کرنے کا اہل بنایا - مدرسہ ہو یا میدان تحریر، اسمبلی ہو یا تقریر کی جولانگاہ - درس و تدریس ہو یا تعلیم و تفہیم وہ ہر محاذ کو سر کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں - اور اپنی صلاحیتوں کو اسلامی نظام کی ترویج میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے وہ اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں - ان کی تقریر کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی اور تحریر آب زر سے تحریر کرنے کے قابل ہوتی ہے - ان کے قلم کی تیغ سے اہل باطل تھراتے ہیں - ان کا باطل شکن قلم جب اسلام کی صداقت کے دلائل دیتا ہے تو باطل کانپتے ہوئے زیر زمین چھپ جانے پر مجبور ہو جاتا ہے

الغرض مولانا سمیع الحق، الحق کے ایڈیٹر قابل رشک صحافی صاحب طرز ادیب - متعدد کتابوں کے مصنف - دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم و استاذ الحدیث، مدبر سیاست دان، بلند پایہ مدرس، رمز شناس مفتی اور جید خطیب ہیں -

حضرت مولانا مرحوم کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا انوار الحق صاحب بھی جید عالم و مدرس استاذ الحدیث نیک صالح باغیرت عالم اور دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم ہیں -

اللہ تعالیٰ مولاناؒ کی نیک اولاد اور لگائے ہوئے شجرہ طوبیٰ کا سایہ مخلوق پر قائم رکھے ۔

وھذا دعا للبریۃ شامل